R. N. 2186/57 | Regd. No. A. 823

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29
Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۲۰ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۲۲ مئی ۱۹۶۲ء

حبیب الرحمٰن

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس ضلع کریم نگر

(۵ - ۶ مئی ۱۹۶۲ء)

حضرات! اُردو ہندوستان کی اہم ترین زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو ایسی ہے جو ہندوستان کی کسی اور زبان کو حاصل نہیں اور وہ یہ ہے کہ جہاں بنگالی صرف بنگال تک، مرہٹی صرف مہاراشٹر تک، گجراتی صرف گجرات تک، تلگو صرف آندھرا پردیش تک اور اسی طرح ہر ایک ہندوستانی زبان صرف ایک خاص علاقے تک محدود ہے وہاں اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ جہاں دوسری زبانیں ملک کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے دور اور الگ کرنے کا کام کرتی ہیں وہیں اُردو زبان ان سب کو ملانے اور ایک دوسرے سے قریب لانے کا رول ادا کر رہی ہے۔ اس کل ہند خصوصیت کے علاوہ اُردو زبان اپنا ایک خاص وطن بھی رکھتی ہے جو دلی، اُتر پردیش، بہار، پنجاب، جموں اور کشمیر کے وسیع علاقوں پر پھیلا ہوا ہے۔ جنم بھومی سے ہٹ کر جنوب کی طرف آئیے تو یہاں بھی آپ کو اُردو بولنے والے لاکھوں کی تعداد میں ملیں گے۔ خود ہماری ریاست میں ۳۵-۴۰ لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔ یہی حال بمبئی، مہاراشٹرا، گجرات اور مدھیہ پردیش کا ہے۔ یہی وہ زبان ہے جو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے اور جسے ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ اُردو نہ صرف اظہارِ خیال کا ایک ذریعہ ہے بلکہ وہ ہماری ہزار سالہ تاریخ کا ماحصل ہے۔ اس طویل تاریخی دور کے جس پہلو کا بھی آپ جائزہ لینا چاہیں گے اس کے لئے اُردو سے واقفیت لازمی ہے۔ گذشتہ سو سال ہی کے واقعات کو لیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انگریزوں سے آزادی کی لڑائی لڑنے میں اس زبان کا کس قدر عظیم الشان حصہ رہا ہے۔ ہندوستان کی کسی اور زبان میں ہماری سو سالہ جدو جہد آزادی کے متعلق نظم ونثر کا شاید ہی اتنا سرمایہ موجود ہوگا جتنا کہ اُردو میں ہے۔ ہندوستانیوں کی روزمرہ زندگی میں مذہب کو جس قدر دخل حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ خدا بیزاری کی عالمگیر وبا کے باوجود ہندوستان میں مذہبی نقطۂ نظر رکھنے والوں کی اب بھی بہت بڑی اکثریت ہے۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو مذہب اور مذہبی تعلیمات سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں۔ اُردو زبان کا سہارا لئے بغیر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے لئے بلا شبہ عربی ایک مقدس زبان ہے اس لئے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ہمارے لئے ایک غیر ملکی زبان ہے۔ عام مسلمانوں کو اگر مذہبی تعلیم دینا ہے تو اس کے لئے ہمیں اُردو ہی سے مدد لینا پڑے گی۔ اسی طرح ہندو مذہب کے مختلف شعبوں پر بھی اُردو زبان میں عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے۔ وید، پران، رامائن، مہابھارت، گیتا، فلسفۂ ہنود پر شہر حیدرآباد کے صرف ایک خانگی کتب خانے میں کم از کم چھ سو اُردو کتابیں موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ ہماری تاریخ، ہمارا کلچر، ہمارا ادب، ہمارا مذہب، غرض ہماری وہ تمام چیزیں جنہیں ہر زندہ قوم ایک متاعِ عزیز سمجھتی اور جن کے تحفظ کے لئے ہر ایثار و قربانی پر آمادہ ہو جاتی ہے وہ سب اُردو سے وابستہ ہیں۔ پھر بھی اگر ہم اس شک وشبہ میں گرفتار ہیں کہ اُردو پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ ہے تو یہ ہماری بدنصیبی ہے۔

جب تک ملک پر باہر کے سامراجیوں کا تسلط تھا زبان کے مسئلے کی چنداں اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ ان سامراجیوں سے اس بارے میں کسی انصاف کی توقع ہی بے محل تھی۔ اُس زمانے میں تو بس ایک ہی مسئلہ سب سے زیادہ اہم تھا اور وہ تھا حصولِ آزادی کا مسئلہ چنانچہ ملک کی باشعور آبادی اور سیاسی اداروں کی تمام تر توجہ مدتوں تک اسی بنیادی سوال پر لگی رہی اور آزادی کے بعد پیدا ہونے والے مسائل میں ہم بہت زیادہ اُلجھے

پھر بھی ہندوستان ایسے وسیع ملک میں زبان کے مسئلے کی غیر معمولی اہمیت کا اُس وقت بھی کافی احساس موجود تھا اور یہی وجہ تھی کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس نے مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں زبان کی حد تک اپنی پالیسی متعین کر لی تھی جس کا اعلان سالہا سال تک کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہوتا رہا۔ اس پالیسی کے مطابق آزاد ہندوستان کی قومی زبان (دیوناگری اور اُردو، دو لکھاوٹوں کے ساتھ) "ہندوستانی" ہونے والی تھی۔ لیکن جب بھارت کا دستور بننے لگا تو مختلف اثرات کے تحت نیشنل کانگریس کا یہ قدیم اور متفقہ فیصلہ جو باپوئے قوم کی دلی آرزو کے مطابق تھا رد کر دیا گیا اور "ہندی" (صرف دیوناگری رسم خط کے ساتھ) ملک کی "قومی" تو نہیں البتہ "سرکاری" زبان قرار دے دی گئی۔ سُنا ہے دستور سازی کے وقت اس مسئلے پر پس پردہ زبردست اختلافات رہے جو ایک موقع پر شاید خطرناک حد تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن اب اُن گذری ہوئی باتوں کو کُریدنا بے سود ہے۔ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ دستور نے ایک مرتبہ جو فیصلہ کر دیا ہے اس کو خوشدلی کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے اور اسی کی روشنی میں زبان کے پیچیدہ مسئلے کو رواداری کے ساتھ سلجھایا جائے۔

ہندوستان میں یوں تو بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن ان میں سے چودہ زبانوں کو ان کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے دستور نے خاص طور پر تسلیم کیا ہے۔ یہ چودہ زبانیں وہ ہیں جنہیں کروڑوں لوگ ملک کے مختلف علاقوں میں مادری زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اکثر علاقے تو ایسے ہیں جہاں ایک ہی زبان بولی جاتی ہے لیکن چند علاقے ایسے بھی ہیں جہاں دو دو تین تین زبانیں بولنے والے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ دستور بنانے والوں کے سامنے یہ تصور تھا کہ ہر صوبے میں وہاں کی علاقائی زبان یا زبانیں نشوونما حاصل کریں اور ہندی کو اس طرح فروغ دیا جائے کہ وہ مختلف صوبوں کے درمیان واسطے کا کام دے۔ جہاں تک انگریزی کا تعلق ہے اس کو بھی بطور ایک زائد زبان کے قائم رکھا جائے تاکہ بین قومی اغراض کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یہ تھی وہ صورت حال جس کو سارے ملک نے مان لیا تھا اور جس کی دستور نے توثیق کر دی تھی اور سب کو یقین تھا کہ صوبائی حکومتیں اپنے اپنے علاقوں میں دیانتداری کے ساتھ اس پالیسی پر عمل کریں گی۔ لیکن ملک کی بدقسمتی کہ شمالی ہند کے ایک خاص گروہ نے ہندی کی ترقی کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ دوسری زبانوں کی ترقی کا راستہ روکا جائے اور انھیں ان کے واجبی حقوق سے محروم کیا جائے۔ ہندی کی حمایت میں انھوں نے جو رویّہ اختیار کیا اس سے دوسری زبان والوں کے دلوں میں طرح طرح کے اندیشے پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ جنوبی ہند کے وسیع علاقوں میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ شمال والے ہندی کے ذریعے ان پر ایک نیا سامراج مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ شمالی ہند کے اس مختصر گروہ نے انگریزی دور کے پیدا کئے ہوئے اُردو ہندی جھگڑے کو خوب ہوا دی اور ملک کی تقسیم سے جو تلخی پیدا ہو گئی تھی اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُردو کے خلاف ایک زبردست محاذ بنا لیا۔ اتفاق سے اترپردیش کی صوبائی حکومت میں بھی ایسے عناصر کو غلبہ حاصل ہو گیا جو بظاہر کھدّر پہنتے اور گاندھی جی کا نام جپتے رہتے ہیں لیکن ان کا عمل ٹھیک کانگریس کے اصول اور باپوئے قوم کی تلقین کے خلاف ہوتا ہے۔ ان حالات کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہی ہوا یعنی اُردو کو خود اس کی جنم بھومی سے دیس نکالا مل گیا۔ اُردو کے ساتھ اترپردیش کی حکومت کا یہ تعصب ایک متعدی بیماری کی طرح بعض دوسرے صوبوں پر بھی اثر انداز ہوا لیکن اس فرق کے ساتھ کہ شمال میں حکومتیں اور ان کے کارندے دونوں کھلے بندوں اُردو کا گلا گھونٹتے ہیں اور جنوب میں حکومتوں کی اعلیٰ سطح پر تو اُردو کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن نیچے کے کارکن جن کے ہاتھوں میں پالیسی کی تعمیل ہوتی ہے وہ اکثر اُردو کو اس کے واجبی حقوق سے محروم کرنے کی طرف مائل رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج اُردو کے تعلق سے ایک عجیب و غریب منظر ہمارے سامنے ہے ایک طرف تو ملک کے وزیر اعظم اُردو کو اپنی مادری زبان بتاتے، اُردو بولنے پر فخر کا اظہار فرماتے اور اُردو کے ساتھ انصاف کرنے کی ضرورت پر بار بار زور دیتے ہیں اور دوسری طرف صوبائی حکومتیں جو وزیر اعظم ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتی ہیں اُردو کی جڑوں پر برابر کلہاڑی چلاتی رہتی ہیں۔ جمہوریت کی یہ ایک نئی تعبیر ہے جسے ہماری آنکھیں حیرت سے دیکھ رہی ہیں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اُردو کے ساتھ یہ ناانصافی ہماری جمہوریت کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ اس دھبے کو مٹانے کے لئے اُردو والے گزشتہ بارہ سال سے برابر جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس جدوجہد کا سب سے بڑا مرکز اترپردیش ہے کیونکہ یہی وہ صوبہ ہے جہاں اُردو سب سے زیادہ مشق ستم بنی ہوئی ہے۔ اور جہاں بعض صاحبان اقتدار بھولے پن سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا اُردو بھی کوئی زبان ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہند برابر کوشش کر رہی ہے کہ اُردو کے ساتھ ناانصافی کا یہ سلسلہ ختم ہو۔ تقریباً آٹھ سال پہلے اترپردیش کے بیس بائیس لاکھ بالغوں کے دستخطوں سے ایک محضر صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا جس میں دستور کے تحت اُردو کو اس کا جائز مقام دلانے کی درخواست کی گئی تھی۔ ان دستخطوں کے حاصل کرنے میں اُردو کے پریمیوں نے جس ہمت، ایثار، ضبط اور نفس کشی سے کام لیا وہ ہم سب کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ اُردو کے ان مخلص کارکنوں نے جان بوجھ کر جلسوں، جلوسوں اور دھواں دھار تقریروں سے احتراز کیا اور خود کو گم نام رکھ کر عظیم الشان مہم ایسی خاموشی اور ایسے ضابطے کے ساتھ چلائی کہ کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ ہو سکی کہ اس کام میں کسی قسم کا کوئی فریب یا دھوکہ ہے۔ ۸ سال تک یہ محضر صدر جمہوریہ کے ملاحظہ میں پڑا رہا اور اُردو بولنے والے کروڑوں شہریوں کی آنکھیں راشٹرپتی کی طرف لگی رہیں لیکن افسوس ہے کہ آزاد بھارت میں عدل و انصاف کا یہ دستوری سرچشمہ بھی اُردو کے ساتھ انصاف نہ کر سکا اور ہمارے صبر و تحمل اور خدمت و ایثار کے امتحان کا دَور طول سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اگرچہ پچھلے چند سالوں میں اُردو زبان کی مخالفت میں کچھ کمی ضرور ہوئی ہے لیکن عملی طور پر اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں ہے اور اس فریضے کی طرف سے حکومتوں کی غفلت و لاپرواہی بدستور جاری ہے۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

ہماری زبان

۲۲ مئی ۱۹۶۲ء

اُردو رسم خط کے متعلق انجمن کا نظریہ

ہم نے ہماری زبان کے صفحات میں اکثر رسم خط میں اصلاحات کا ذکر کیا ہے۔ اخبار میں ایسے مضامین بھی شائع کئے گئے ہیں جن میں ہندی کے الفاظ کو اُردو رسم خط میں لکھنے کے لئے مزید اشارات و علامات وضع کئے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے علمی نقطۂ نظر سے رومن رسم خط کو اپنانے کا مشورہ دیا ہے اور اُن کے خیالات بھی ہماری زبان کے پچھلے صفحات میں مل جائیں گے۔ گذشتہ سال دہلی میں بڑے وزیروں کی کانفرنس نے قومی یک جہتی کے مسئلے پر غور کرتے ہوئے یہ سفارش کی تھی کہ ہر زبان کے لئے دو رسم خط استعمال کئے جائیں، ایک اس کا اپنا رسم خط اور دوسرا دیوناگری۔ یک جہتی کو بڑھانے کے لئے ہم نے بھی اس تجویز کا خیر مقدم کیا تھا۔ ان باتوں کی وجہ سے کچھ لوگوں کو جو ہر بات میں کوئی خطرہ سونگھ لیتے ہیں شبہ ہو گیا ہے کہ ہم اُردو کا رسم خط بدلنے کی فکر میں ہیں، یا اُردو کو بالکل ہندی بنا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ ہمارا یہ کبھی مقصد نہیں رہا اور جن لوگوں نے ہماری زبان کے اداریے اور مضامین غور سے پڑھے ہیں اُنھیں اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے، پھر بھی ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ رسم خط کے متعلق انجمن کا نقطۂ نظر پھر واضح کر دیں۔ اگر بات اہم ہو تو اس کی تکرار میں کوئی حرج نہیں، کم سے کم بات کے ذہن نشین ہو جانے کا تو امکان رہتا ہی ہے۔ دراصل زبان کا رسم خط سے کوئی بنیادی تعلق نہیں ہے۔ اُردو اگر رومن رسم خط میں لکھی جائے تو انگریزی یا رومن نہیں ہو جاتی، اگر دیوناگری میں لکھی جائے تو ہندی نہیں بن جاتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک نیا رسم خط کسی زبان کی ساری آوازوں کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لئے رسم خط میں لکھنے کے لئے کچھ نئی علامتیں وضع کرنی ہی پڑتی ہیں۔ اُردو سیکھنے سکھانے کے لئے رومن رسم خط پہلے بھی استعمال کیا گیا ہے اور آج بھی مغرب میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے مناسب علامات کا مسئلہ آج بھی اہمیت رکھتا ہے۔ دیوناگری رسم خط کو ہم اچھا کہیں یا بُرا، ملک کے خواندہ اشخاص کی خاصی بڑی تعداد صرف اسی رسم خط سے واقف ہے۔ اگر یہ میرؔ کا کلیات، غالبؔ کا دیوان، انیسؔ کے مرثیے، حالیؔ کا مسدس، اقبالؔ کی نظمیں دیوناگری رسم خط میں پڑھنا چاہتی ہے تو کیا اس رسم خط میں اُردو کی آوازوں کو سمونے کے لئے مناسب مشورے دینا غلط ہے۔ پھر وہ لوگ جو اُردو رسم خط میں اُردو ادب کے شاہکار نہیں پڑھ سکتے اگر دیوناگری کے ذریعے انھیں پڑھنے لگیں تو اس میں اُردو کا فائدہ ہے یا نقصان۔ کسی رسم خط سے اس قسم کی چڑ نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہماری حسن کاری، ہماری قدروں کا خزانہ، ہماری انسانیت اور تہذیب کی آئینہ بندی، ہمارے الفاظ، تشبیہیں، استعارے جتنے عام ہوں اچھا ہے۔

لیکن اس کے یہ معنی کہاں ہوئے کہ ہم اپنا رسم خط بدل دیں۔ اور کیوں بدل دیں۔ یہ رسم خط ہماری زبان کے آغاز سے ہمارے ساتھ ہے۔ اس میں خامیاں ہیں اور کس رسم خط میں نہیں ہیں۔ مگر خوبیاں بھی تو ہیں۔ اس میں ہمارے علم و ادب کا صدیوں کا خزانہ ہے، جو سارے کا سارا کسی دوسرے رسم خط میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس میں جگہ کی کفایت ہے، وقت کی کفایت ہے۔ یہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں خوش نویسوں نے فن کا کمال دکھایا ہے۔ اس میں بیشتر آوازوں کو ادا کیا جا سکتا ہے اور نئی آوازوں کے لئے اضافے کی گنجائش ہے۔ ہم جب جدید دور کی ضروریات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں رسم خط میں اصلاح کی ضرورت تو محسوس ہوتی ہے اور اصلاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسے ترک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ترک کرنے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اصلاح کے نام سے چڑنا اور لکیر کا فقیر بنے رہنا دانش مندی نہیں ہے۔ ہم نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ موجودہ تعلیمی اور صحافتی ضروریات کے پیش نظر ہمیں چھپائی کے لئے نسخ کو اختیار کرنا چاہئے، لکھنے کے لئے نستعلیق کام دے سکتا ہے۔ خاص خاص کتابوں کی چھپائی کے لئے بھی نستعلیق کو استعمال کیا جا سکتا ہے مگر عام ضروریات کے لئے نسخ اختیار کرنا ہماری رائے میں مفید ہوگا۔ جب ہم چھپائی کی ضروریات پر غور کریں گے تو شاید ہمیں ب جیسے حروف کی متعدد شکلوں کے بجائے دو یا زیادہ سے زیادہ تین شکلوں کو اختیار کرنا پڑے گا۔ ہمیں اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ مرکب الفاظ کم سے کم ہوں۔ قدما کی یہ روش کہ جیسا بولو ویسا لکھو بھی شاید پھر سے زندہ کرنا پڑے گی۔ ایسی تمام باتوں پر بروقت غور کرنا چاہئے تاکہ ہم کم سے کم وقت میں بچوں اور ان پڑھ بالغوں کو اُردو پڑھا سکیں، ہماری کتابیں اور اخبار زیادہ تعداد میں چھپ سکیں، اُردو کے ٹائپ رائٹر میں جوڑ اور کم ہو سکیں گویا سوال تلفظ اور املا کی اصلاح کا ہے۔ زندہ زبانوں میں برابر تراش خراش کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس سے ڈرنا نہ چاہئے، ہاں اپنے رسم خط کو ترک کر دینے کا سوال ہی نہیں ہے۔ اس لئے کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ انجمن اُردو رسم خط کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہی ہے، بے بنیاد بات ہے۔

لسانیات کا موسم گرما کا اسکول

دھارواڑ۔ ۹ مئی۔ اس سال لسانیات کا موسم گرما کا اسکول کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ میں منعقد ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر پاؤ نے

وائس چانسلر گرونانک یونیورسٹی و ممبر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنی افتتاحی تقریر کے دوران میں کہا،

"ماہرین لسانیات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک کے لئے ایک قومی زبان کی تشکیل کریں۔ انگریزی اس عہدے پر عرصۂ دراز تک فائز نہیں رہ سکتی۔ موجودہ ہندی بھی اس کی اہل نہیں۔ مختلف صوبوں کے اُردو بولنے والے سنسکرت زدہ ہندی کو پسند نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ ملک کی قومی زبان صرف مہاتما گاندھی کی سہل ہندی (Simplified Hindi) ہی ہو سکتی ہے۔"

(گیان چند)

ادارہ تحقیقات اُردو کو حکومت بہار کا عطیہ

غالب کی تصانیف نظم و نثر کی اشاعت کے لئے بہار کے وزیر اعلیٰ شری ونود انند جھا نے ادارہ تحقیقات اُردو (پٹنہ) کو اٹھارہ ہزار روپے دینے کا اعلان کیا ہے۔

یہ اعلان اس الوداعیہ کے موقع پر کیا گیا ہے جو ادارۂ تحقیقات اُردو نے ۲۰ مئی کو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو دیا تھا، جو اس وقت بہار کے گورنر تھے۔

مرزاپور میں ادیبوں کی قومی ایکتا کمیٹی

۱۶ اپریل سنہ ۶۲ء کو ۸ بجے شب، جناب امریش چند پانڈے کے مکان پر مرزاپور کے ہندی اور اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب پرہلاد نرائن سول جج مرزاپور نے فرمائی۔

سید حرمت الاکرام کی مختصر تعارفی تقریر سے جلسے کا آغاز ہوا جس میں انھوں نے قومی ایکتا کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد دوسرے حضرات کے علاوہ پروفیسر مختار احمد نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اس مقدس و عظیم مقصد کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شرکائے جلسہ نے نہایت خلوص و مسرت کے ساتھ ادیبوں کی قومی ایکتا کمیٹی کی بنا ڈالی اور عہد کیا کہ وہ تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر ہندوستان کے قومی اتحاد کو فروغ دیں گے نیز سماج دشمن اور فرقہ پرست عناصر کی سازشوں کا مقابلہ کریں گے۔

جلسے نے اتفاق رائے سے متذکرہ کمیٹی کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداروں کا انتخاب کیا۔

امریش چند پانڈے (صدر)، بنارسی لال گنج (نائب صدر)
سید حرمت الاکرام (سکریٹری)، تابش اکرامی (جوائنٹ سکریٹری)
بسمل بادشاہ پوری (خازن)

جناب پرہلاد نرائن (سول جج) اور جناب اے۔ پی سریواستو جج (جوڈیشل مجسٹریٹ) نے کمیٹی کی رہنمائی و سرپرستی قبول فرمائی۔

جلسے کا اختتام شعرائے کرام کی نظموں اور غزلوں پر ہوا۔

(تابش اکرامی، جوائنٹ سکریٹری)

مہاراشٹر اُردو بک سیلرز اوارڈ کمیٹی (رجسٹرڈ)

(دوسرا سالانہ جلسۂ تقسیم انعامات اکتوبر ۶۲ء میں منعقد ہوگا)

اس سے قبل اخبارات میں اعلان کیا گیا تھا کہ کمیٹی کا دوسرا جلسہ تقسیم انعامات مئی کے آخری ہفتے میں منعقد کیا جا رہا ہے اور اس کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئی تھیں۔ مگر حسب ذیل وجوہ کی بنا پر مناسب سمجھا گیا کہ اسے اکتوبر ۶۲ء میں منعقد کیا جائے۔

(۱) تعطیل گرما کے سبب، ہمدردان کمیٹی کی اکثریت یعنی کالجوں اور ہائی اسکولوں کے پرنسپل و اساتذہ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے اُردو نواز حضرات ان دنوں اپنے اپنے وطن تشریف لے گئے ہیں۔ اراکین کمیٹی کی خواہش ہے کہ ہمدردان کمیٹی اور اُردو نواز حضرات زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک جلسہ ہوں جو اس وقت ممکن نہیں ہے۔

(۲) اراکین کمیٹی جس شخصیت کے ہاتھوں جلسے کا افتتاح اور تقسیم انعامات کے فرائض انجام دلانا چاہتے تھے، ان کی موجودگی بھی مئی کے آخری ہفتے میں مشکوک ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر طے کیا گیا ہے کہ مئی کے آخری ہفتے کے بجائے جلسہ اکتوبر سنہ ۶۲ء میں منعقد کیا جائے تاکہ ہمدردان کمیٹی، انعام پانے والے ادبا اور شعرا اور اُردو نواز حضرات آسانی کے ساتھ شریک ہو سکیں اور جلسہ ہماری توقعات کے مطابق کامیاب ہو۔

(سمیع [illegible]، جوائنٹ سکریٹری)

انجمن تعمیر اُردو (دہلی) کی ادبی نشست

دلی۔ ۱۳ مئی۔ انجمن تعمیر اُردو دلی کی ہفتہ وار ادبی و تاریخی نشست اتوار ۱۳ مئی کو شام کے ساڑھے ۶ بجے اُردو ہال اُردو بازار دلی میں منعقد ہوئی۔ پنڈت سندر لال صاحب نے صدارت فرمائی۔ تقریباً ۵۰ سے زائد منتخب اہل علم اور اہل نظر شریک بزم تھے۔ غیر تنقیدی دور میں شعراء نے کلام سنایا۔ تنقیدی پروگرام میں اظہار خیال کے لئے جناب عظمت سکندرآبادی نے ایک غزل، جناب انور کمال حسینی نے "یادوں کے زخم" کے عنوان سے ایک افسانہ (جو در اصل ان کے زیر تصنیف ناول کا ایک باب ہے) اور جناب سید حامد صاحب آئی۔ اے۔ ایس ڈپٹی سکریٹری، حکومت ہند نے مشرقی روایات کے ساتھ رابرٹ براؤننگ اور ان کی شاعرہ بیوی کی داستان عشق کو مثنوی کی شکل میں کامیابی کے ساتھ نظم کر کے پیش کیا۔ تنقید میں [illegible] ڈاکٹر [illegible]، ظفر پیامی، گلزار دہلوی، عشرت حسن نعیم، کیلاش ماہر، محمود دہلوی، انور صابری، خلیق انجم، اسلم پرویز، زبیر رضوی، راقم صدیقی، بہار برنی نے نمایاں حصہ لیا۔ (عزیز وارثی، معاون معتمد)

تبرک

غزل شیر علی افسوس

(مرسلہ جاوید نہال)

شیر علی افسوس کا دیوان نایاب ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری (کلکتہ) میں محفوظ ہے۔ اسی نسخے سے ایک غزل اور ایک رباعی ذیل میں نقل کی جاتی ہے

(ج۔ ن)

سامنے سے جو وہ نگار گیا — دل پہ تیر نگاہ مار گیا
دیکھ بے تابی دل کی اس دم پر — ایک دن میں ہزار بار گیا
منزل عشق تک نہ پہنچا آہ — میں تو چلتے چلتے ہی ہار گیا
تیری مجلس سے جو کوئی اٹھا — اپنے گھر تک وہ اشکبار گیا
تیرے قربان کے تو لائق ہوں — اور کاموں سے گو ہزار گیا
قول پر اس کے اعتماد کیا — کیا ہوا وہ جو ہاتھ مار گیا

پاس سے اس کے سب گئے خورسند
ایک افسوس سوگوار گیا

رباعی

اک پل میں گدا کو شاہ شاہاں کر دے
جس مور کو تو چاہے سلیماں کر دے
جیتا ہوں علی علی ہے دن رات پڑا
ٹک میرے بھی مشکلات آساں کر دے

آزاد گلاٹی

جب خرد کی راہوں میں تیرگی کے سائے ہوں — تب جنوں کی ہم روشنی میں چلتے ہیں
جن کو تجھ سے نسبت تھی وہ عزیز غم بھی اب — دل کو چھوڑ کر تنہا آنکھ سے ابلتے ہیں
منزلیں محبت کی راہ پہ خود آتی ہیں — دل میں جب تمنا کے کچھ چراغ جلتے ہیں
ہم جنوں کدے پہ در دہ گر کے پھر نہ سنبھلیں گے — وہ سنبھل کے گرتے ہیں ہم گر کے جو سنبھلتے ہیں

جے کرشن چودھری حبیب

دنیا سے بے نیاز غزل کہہ رہا ہوں میں — قلب و جگر نواز غزل کہہ رہا ہوں میں
کرتا ہوں بے نقاب رخ دشمن حیات — پردہ کشائے راز غزل کہہ رہا ہوں میں
اس تیر نیم کش کا مزہ جو مجھے عطا — اے چشم نیم باز غزل کہہ رہا ہوں میں

تنہائیوں میں رات کی یاد حبیب نے
چھیڑا ہے دل کا ساز غزل کہہ رہا ہوں میں

ظفر غوری

کلیوں کی ادائیں جو جگی ہیں گلشن کی فضا تو سمجھا تو ۔ یہ رات سحر بن جائے گی تاروں کی ضیا تو پہچانو
چمن کی ہوائی کر گئی یہ شوق تماشائی کی ٹیک ۔ اے حسن وفا کے دیوانو آئین وفا تو پہچانو
دو بات کہیں کیسے تم سے جو لب پہ کبھی نہیں آتی ۔ تنہائی کے نازک لمحوں میں اس دل کی صدا تو پہچانو

اب چپ بھی رہا جاتا ہے ظفر احساس ہے آستاں کو بھی
یہ رنگ حیا رخ پر دیکھو کچھ بات ذرا تو پہچانو

پیروڈی

فن کار

کاذب مالوی

(ساحر لدھیانوی سے معذرت کے ساتھ)

میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے
آج ان گیتوں کو میں "فلم" میں دے آیا ہوں

ہجر کی راتوں کو جو گیت لکھے تھے میں نے!
"وہی افکار، وہی شاعری، وہ ہی احساس"
"ریڈیو سیلون" بھی اب نشر کرے گا ان کو
"تو نے جن گیتوں پہ رکھی تھی محبت کی اساس"

جو تری یاد سے منسوب تھے ان گیتوں کو
لوگ بازاروں میں اور گلیوں میں اڑائیں گے
"میری محبوب تجھے مجھ سے محبت تو نہ تھی
خواب میں آج ترے آنے کا مقصد کیا ہے"

میں نے کچھ مصرعوں کے الفاظ بدل ڈالے ہیں
ڈائرکٹر کا یہ کہنا تھا کہ "لٹریچر" ہے "ہارڈ"!
ریڈیو والوں کو بھی فرمائشی خط لکھ دیتا!
مجھ کو، خوش بختی سے، ہو سکتا ہے مل جائے "ایوارڈ"

میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے
آج ان گیتوں کو میں "فلم" میں دے آیا ہوں

کرشن موہن

ترغیب

کوئل کے یہ میٹھے گیت، جوبن کی رت یہ ساون
باغوں کا یہ روپ سجل، یہ نکھرے البیلے بن
جاگ اٹھی ہے دل میں پریت، مند مند سپنے میرے میت
گاتے ہیں ہونٹوں پہ سنگیت، رت ہے کتنی من موہن
نازک تن کی مادکتا، چنچل من کی کوملتا،
رگ رگ میں سنگیت کی لے، یہ سندرتا، یہ جوبن
پھر کب لوٹ کے آئیں گے، یہ رنگیں دن یہ راتیں
ہاتھ نہیں آتا ہے کبھی گزرا سمے، بیتا جیون
آ اپنا سپنا دیکھیں، چاہت کی لیلا کھیلیں
آ فرصت ہے پیار کریں، چھوڑ بھی دے شرمیلا پن
سوچ بچار میں وقت نہ کھو، پچھتاوے کا بیج نہ بو
دل کی چنچلتا سے بدل سوچ بچار کا پیراہن
تن کی پیاس نہ بجھنے دے، من کی آس نہ ٹوٹنے دے
جینے میں کچھ لطف نہیں، ہو نہ اگر تن من کی لگن

نصیر الدین ہاشمی

کتب خانہ خواتین دکن و ادارۂ تحقیقات

کتب خانہ خواتین دکن و ادارۂ تحقیقات نسواں کے مختصر حالات گوش گزار کرنے کے لئے جامعہ عثمانیہ کے متعلق چند سطور کا قلمبند کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کتب خانہ خواتین دکن کا آغاز جامعہ عثمانیہ کے زنانہ کالج سے تعلق رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ ہندوستان میں جامعہ عثمانیہ وہ پہلی یونیورسٹی تھی جس نے ایک دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا اور تقریباً (۲۹) سال تک جامعہ کے تمام شعبوں کی اعلیٰ تعلیم کامیابی کے ساتھ اُردو میں ہوتی رہی۔ جامعہ عثمانیہ کے ۲۹ سالہ نتائج نہایت تابناک اور درخشاں ہیں۔

حیدرآباد میں انگریزی میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام سنہ ۱۸۸۷ء میں ہوا تھا سنہ ۱۹۱۹ء تک جس قدر طلبہ (۳۰) سال میں گریجویٹ ہوئے ان کی تعداد ایک دو سو سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جامعہ عثمانیہ کے (۲۹) سالہ دور میں فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔

مادری زبان میں تعلیم ہونے سے نہ صرف لڑکوں میں اعلیٰ تعلیم کی ترقی ہوئی بلکہ اس کا اثر طبقۂ نسواں پر بھی ہوا۔ ان میں تعلیم کا چرچا روز افزوں ہوتا گیا۔ خواتین کی تعلیمی ترقی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۲ء میں جب ڈاکٹر آمنہ پوپ نے نامپلی گرلز ہائی اسکول کے پرنسپلی کا جائزہ حاصل کیا تو تحتانی وسطانی اور فوقانی جماعتوں کے طالبات کی تعداد ایک سو کے اندر تھی۔ بارہ سال کے بعد سنہ ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ کے تحت زنانہ کالج کا افتتاح ہوا۔

آرٹ اور سائنس کی تعلیم ہونے لگی سنہ ۱۹۴۰ء میں جب ڈاکٹر آمنہ پوپ وظیفہ پر سبکدوش ہوئیں تو دو سو سے زیادہ طالبات زنانہ کالج میں زیر درس تھیں۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ ایس سی کی تعلیم بھی زنانہ کالج میں ہوتی تھی۔

جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی دور میں ایم۔ اے کے امتحان کے لئے ایک مقالہ کا قلمبند کرنا ضروری تھا سنہ ۱۹۳۶ء میں جب زنانہ کالج میں اُردو کے ایم۔ اے کی جماعتیں قائم ہوئیں اور پانچ طالبات نے اس میں شرکت کی تو بعض طالبات نے اس خادم علم سے خواہش کی کہ میں اپنے کتب خانے سے خواتین کو استفادہ کا موقع دیا کروں۔ ان کی اس خواہش کی تکمیل کی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر چند طالبات نے اس قسم کی خواہش کی۔ اس بنا پر سنہ ۱۹۴۳ء میں ایک کمیٹی بنا کر کتب خانہ خواتین دکن قائم کر دیا گیا اور سر رشتۂ تعلیمات نے اس کو مسلّمہ قرار دے کر ایک سو روپیہ ماہوار امداد کی تحریک بھی فرمائی تھی۔

قبل اس کے کہ کتب خانہ خواتین دکن کے مزید حالات گوش گزار کئے جائیں اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہیں ہے کہ اس خادم علم کا کتب خانہ کس طرح فراہم ہوا۔

جنوبی ہند میں پُر امن طریقے سے آنے والے مسلمان عرب تاجروں میں ایک حصہ ایسے اصحاب علم و فن کا تھا جن کی زندگی کا نصب العین تصنیف و تالیف تھا۔ ایسے اصحاب کے کتب خانے زمانہ کے انقلابات کے نذر ہو گئے لیکن اب بھی مدراس۔ بنگلور بمبئی۔ حیدرآباد وغیرہ میں بعض کتب خانے موجود ہیں چنانچہ حیدرآباد میں کتب خانہ سعیدیہ۔ کتب خانہ مولوی حسین عطا اللہ مرحوم۔ کتب خانہ مولوی صفی الدین وغیرہ۔ اسی قسم کے کتب خانہ ہیں ان میں میرے والد مرحوم مولوی عبد القادر کا کتب خانہ بھی شامل تھا۔ مرحوم کو حیدرآباد کی تعلیمی۔ علمی اور سماجی ترقی سے بڑی دلچسپی تھی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں موصوف کا انتقال ہوا۔ چونکہ مجھے اپنے بچپن سے کتابوں سے شغف رہا اس طرح اس کتب خانے میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب مختلف زبانوں میں کئی ہزار کتابیں جمع ہیں۔

پولیس ایکشن کے بعد کتب خانہ کی از سر نو تنظیم کی گئی۔ اور اس کو رجسٹرڈ کرا دیا گیا ہے۔ اولاً محترمہ پریم لتا گپتا چار سال تک اس کی صدر رہیں۔ پھر محترمہ شاہ جہاں بیگم نے دو سال صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ موصوفہ کے بعد اب کئی سال سے مسز رودا مستری صدر ہیں۔ آپ کو کتب خانہ سے پوری دلچسپی ہے۔ دامے درمے سخنے مدد کرنے سے کبھی دریغ نہیں فرماتیں۔ آپ کی دلچسپی سے کتب خانہ کو ترقی ہو رہی ہے۔

یہ گشتی ریسرچ کتب خانہ ہے اس سے عموماً تعلیم یافتہ خصوصاً بی۔ اے۔ ایم۔ اے وغیرہ کی طالبات اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے ریسرچ کرنے والی طالبات اور بعض طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔

جو طالبات وغیرہ استفادہ کرتی ہیں ان سے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ بغیر کسی فیس کی ادائی کے ایک سے زیادہ کتابیں وقت واحد میں حاصل کر کے وہ اپنے مکانوں میں مستفید ہوتی ہیں۔ کتب خانہ کا دائرہ عمل نہ صرف شہر حیدرآباد تک محدود ہے بلکہ بمبئی۔ پونہ ناگپور۔ خاندیس تک وسیع ہے۔

اس کتب خانہ سے مطالعہ کے لئے کتابیں اور رسائل دئے جانے کے علاوہ ریسرچ کرنے والوں کو دوسرے کتب خانوں سے معلومات بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ کئی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر اپنے مقالوں کے لئے مواد طلب کرتے ہیں۔ ان کے لئے معلومات ٹائپ کر کے روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس قسم سے مستفید ہونے والوں کا

دائرہ لندن یونی ورسٹی تک وسیع ہے۔ اب تک جن طالبات اور طلبہ نے کتب خانے سے استفادہ کر کے مختلف یونی ورسٹیوں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے ان کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی البتہ جنھوں نے اس ڈگری کے لئے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہونے والی طالبات تو بہت زیادہ ہیں۔

کتب خانے میں کتابوں کے علاوہ پانچ سہ ماہی۔ چوبیس ماہواری علمی ادبی رسالے اور چھ ہفتہ وار اُردو روزنامہ اخبار آتے ہیں۔ ان سے بھی خواتین اپنے مکانوں میں استفادہ کرتی ہیں۔ اس سال تین ہزار سے زیادہ خواتین نے استفادہ کیا ہے۔

کتب خانہ میں خواتین کے قدیم خطوط کا بھی کافی ذخیرہ ہے ان کو ترتیب دیا جا رہا ہے تاکہ آئندہ ان سے کام لیا جا سکے۔

ادارۂ تحقیقات نسواں کا مقصد یہ ہے کہ خواتین کی قدیم قلمی کتابوں کو جو اہمیت رکھتی ہیں طبع کیا جائے۔ نیز جدید مقالے جو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے منظور کئے جاتے ہیں ان کو شائع کیا جائے چنانچہ اس قسم کا کام مرکزی حکومت کے وزارت سائنٹفک ریسرچ و کلچرل آفیرس کی امداد سے آغاز کر دیا گیا ہے۔ سال گذشتہ یہ امداد اس شرط سے ملی تھی کہ نصف رقم ادارہ فراہم کرے۔ جو کتابیں طبع کی گئیں اور آج رسم اجرائی ہونے والی ہے ان میں ایک مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی ہے جو ابو طالب کلیم ملک الشعراء شاہجہاں کے حیات اور کلام پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر شریف النساء بیگم لکچرر فارسی زنانہ کالج کا ہے۔

دوسری کتاب اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اُردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست ہے جس کو راقم نے مرتب کیا ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس فہرست کو مرتب کرانے کا آغاز اولاً انجمن ترقی اُردو کی جانب سے ہوا تھا۔

کتب خانہ خواتین دکن گزشتہ اٹھارہ سال سے خاموشی کے ساتھ خواتین کی علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔ کتب خانے کی تاریخ اس کے آغاز اور طریقۂ عمل کو گوش گزار کرنے کے بعد مختصر طور پر اس کے مالیہ کا تذکرہ کرنا نامناسب نہیں ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ کتب خانے سے استفادہ کے لئے کوئی فیس کسی قسم کی نہیں لی جاتی حکومت کے سررشتۂ کتب خانہ سے ایک سو پچاس روپیہ سالانہ ملا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں اس میں پچاس روپے کی کمی کر دی گئی۔

سنہ ۱۹۶۰ء میں حکومت آندھرا پردیش سے پانچ سو روپے کتابوں کے لئے ملے تھے۔ ادارہ توسیع و ترقی زبان اُردو سے ایک سو پچاس روپیہ عطیہ ملا تھا۔ اس سال ان دونوں امداد سے کتب خانہ محروم رہا۔

اس موقع پر یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ حکومت حیدرآباد کے زمانے میں معتمد صاحب تعلیمات نے یہ تصفیہ کیا تھا کہ فہرست مخطوطات کی دو سو جلدیں پیشگی قیمت ادا کر کے اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے لئے خریدی جائیں مگر اس وقت رقم نہ ملنے سے فہرست طبع نہ ہو سکی تھی۔ اب یہ فہرست شائع ہو گئی ہے۔ اس کے خریدنے کی کارروائی جاری ہے۔ توقع ہے کہ معتمد صاحب تعلیمات شری ایل۔ این گپتا صاحب جن کی علم دوستی مشہور ہے اپنی سابقہ تجویز کو بحال رکھیں گے۔

آخر میں حکومت آندھرا پردیش سے دو استدعا کروں تو نا واجبی نہیں ہوں گے۔ اوّل تو یہ کہ کتب خانہ کے لئے کوئی موزوں عمارت نہیں ہے اس کی وجہ سے کتابیں دو جگہ منقسم ہیں۔ مکرم جاہی روڈ پر حکومت کے کئی مکان ہیں ان میں سے کوئی موزوں مکان کتب خانہ کے لئے مل جائے تو اس کا کرایہ ادا کرنے کو کتب خانہ تیار ہے۔ موزوں مکان مل جائے تو پورا کتب خانہ ایک جگہ منتقل ہو جائے گا۔ علاوہ خواتین کے لئے مطالعہ گھر بھی قائم کیا جائے گا۔ جنس نازک کے خصوصی حالات کے مدنظر ایسے مطالعہ گھر کی ضرورت ہے جہاں جنس قوی کی عام طور سے مداخلت نہ ہو۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ افراد ملک کا فریضہ ہے کہ وہ تعلیمی اور سماجی امور میں حکومت پر پورا بار نہ ڈالیں اس لئے میرا ارادہ ہے کہ اپنی وسیع جائداد سے جس کے ہم تین بھائی مالک ہیں اور عرصہ دراز سے گوشہ محل گرلز ہائی اسکول کرایہ سے مقیم ہے اور اس کے خریدنے کی کارروائی گزشتہ تین سال سے سررشتہ تعلیمات میں زیر دوراں ہے اگر اس کو جلد خرید لیا جائے تو میں ایک ایسی رقم کتب خانے کے لئے محفوظ کر دوں گا جس سے کتب خانہ کے سالانہ اخراجات کی تکمیل میرے بعد بھی ہو سکے گی۔ میری اس تحریک میں میرے دونوں بھائی خوشی سے حصہ لیں گے۔ (کتب خانہ خواتین دکن کے سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا)

بقیہ خطبۂ صدارت اردو کانفرنس ضلع کریم نگر

اُردو کی بقا اور ترقی کا انحصار حکومت، دستور، اسمبلی، پارلیمنٹ، وزیر اعظم، پریزیڈنٹ، ان سب سے زیادہ خود اُردو بولنے والوں پر ہے اگر آپ اُردو کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور اس کی خاطر ضروری ایثار کے لئے تیار ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت اُس زبان کو نہیں مٹا سکتی جس کے بولنے والے ہزاروں اور لاکھوں نہیں، کروڑوں کی تعداد میں سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ بات میں محض جذباتی طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ کس طرح حکومتوں نے طاقت کے بل پر زبانوں کو مٹانا چاہا مگر نہ مٹا سکیں اور اس واسطے نہیں مٹا سکیں کہ ان زبانوں کے بولنے والوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ ہم انھیں کسی طرح مٹنے نہیں دیں گے۔

——— آئرلینڈ جیسی چھوٹی ریاست میں انگلستان جیسی طاقتور حکومت نے وہاں کی مقامی زبان کو مٹانے کی مدتوں کوشش کی لیکن آئرش زبان فنا نہیں ہوئی۔ پولش زبان پر سالہا سال تک بیرونی سامراجیوں کی مشق ستم جاری رہی لیکن وہ زبان پھر بھی زندہ رہی۔ البانیا کی بھلا کیا بساط ہے۔ ہم میں سے بہتوں نے شاید اُس کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اس ذرا سی ریاست پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب کہ وہاں البانی زبان میں کوئی کتاب یا رسالہ یا اخبار شائع نہ ہو سکتا تھا اور البانیہ کی انقلابی پارٹی اپنے اعلان اور اشتہار پیرس سے چھپوا کر منگواتی اور خفیہ طور پر تقسیم کرتی تھی۔ ان مظالم کا دور گزر گیا اور ظالم بھی گزر گئے۔ لیکن البانی زبان بدستور باقی اور شاید ترقی پذیر ہے۔ قوم یہود کو جیسے طرح طرح کے مظالم سہتے ہوئے اس قوم پر صدیاں گزر گئیں۔ لیکن اس نے اپنی مذہبی زبان کو سینے سے چمٹائے رکھا اور کسی طرح اس پر آنچ نہ آنے دی۔ یہ سب کیسے ہو گیا؟ ضرورت ہے کہ ہم اُردو زبان والے ان تاریخی واقعات پر اچھی طرح غور کریں اور ان میں ہمارے لئے جو سبق پوشیدہ ہے اس کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں جب اتنی چھوٹی چھوٹی آبادیوں نے اپنی اپنی زبانوں کو فنا ہونے سے بچا لیا تو کیا بھارت کے پانچ کروڑ اُردو بولنے والے اپنی زبان کی حفاظت نہیں کر سکتے؟ یقیناً کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کا یقین محکم اور انھیں عمل پیہم کی توفیق نصیب ہو۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اُردو کی طرف سے مایوسی کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہ دیں۔ مایوسی بڑی خطرناک بیماری ہے۔ اسکی وجہ سے ہمارے ارادے کمزور اور طاقت عمل سلب ہو جاتی ہے۔ اور اگر بروقت اسکی روک تھام نہ کی گئی تو بالآخر اس کا نتیجہ اجتماعی موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے جب بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اب ہندوستان میں اُردو کا کیا مستقبل ہے۔ اُردو پڑھنے پڑھانے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ اُردو کے پیچھے وقت ضائع کرنے کی بجائے کیوں نہ ہم اپنی توانائیاں ایسی زبانوں کے سیکھنے میں صرف کریں جن کے ذریعہ روزگار ملنے میں آسانی ہو۔ میں ان حضرات سے بہ صد ادب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بلاشبہ روزگار کا تعلق زبان دانی سے ہے لیکن اتنا نہیں جتنا کہ وہ اپنی دانست میں سمجھے ہوئے ہیں۔ جس طرح انگریزی کے دور میں ہزاروں انگریزی جاننے والے گریجویٹ بے روزگار رہتے تھے اسی طرح آزاد ہندوستان میں ہزاروں ہندی جاننے والے بھی بے روزگار رہ سکتے ہیں۔ آج بھی باوجود پانچ سالہ منصوبوں اور زراعتی اور صنعتی ترقیات کی بے شمار اسکیموں کے کیا ہزاروں انگریزی اور ہندی جاننے والے تعلیم یافتہ نوجوان بے روزگار نہیں ہیں اور اگر کل آندھرا پردیش میں اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ نظم ونسق کی زبان تلگو ہو جائے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تلگو جاننے والوں میں کوئی بے روزگار نہیں رہے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک یا سوسائٹی میں روزگار کا انحصار وہاں کے معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ اگر معاشی تنظیم ناقص ہو تو آپ خواہ کسی زبان کے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں بے روزگاری کے اندیشے سے محفوظ نہیں رہ سکتے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔ آزاد ہندوستان نے اشتراکی نظام معیشت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ اور خوش حال مملکت کا تصور کو اپنا لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمناؤں کی تکمیل کا راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ اس منزل مقصود تک پہنچنے میں سالہا سال کی مدت لگے گی۔ لیکن اتنا تو یقین ہے کہ اب کوئی آنے والی حکومت اس مقررہ نصب العین سے ہٹ نہیں سکتی اور نہ خوش حال مملکت کے تصور کو چھوڑ سکتی ہے۔ راستہ خواہ کتنا ہی دشوار ہو ہمیں بالآخر ایسا معاشرہ بنانا ہی ہوگا جس میں ہر فرد کے لئے کوئی نہ کوئی مفید کام مہیا کرنا پڑے گا جہاں کوئی صحت مند توانا شخص بغیر کچھ کام کئے روٹی نہ پا سکے گا کسی صحت مند اپاہج کو بھوکوں مرنے کے لئے چھوڑ نہیں دیا جائے گا اور سوسائٹی کے ہر فرد کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق کسی نہ کسی مفید کام کے لئے تیار کیا جائے گا۔ اگر اس پس منظر میں زبان کے مسئلے کو جانچیں گے تو روزگار اور زبان کا صحیح تعلق بآسانی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا اور یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ آپکے بچے نہ اُردو پڑھ کر لازمی طور پر بے روزگار رہیں گے اور نہ ہندی سیکھ کر وہ بے روزگاری کے اندیشے سے لازماً بچے رہیں گے۔

مزید برآں ہم کب اُردو والوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ کوئی دوسری زبان نہ سیکھیں، ہم تو برابر یہ کہتے آرہے ہیں کہ اُردو والے جہاں بھی رہیں وہاں کی اکثریت کی زبان کو ضرور سیکھیں اور اس میں کافی مہارت پیدا کریں۔ مثلاً آندھرا پردیش میں تمام اُردو بولنے والوں کو اپنی زبان کے علاوہ اچھے خاصے معیار کی تلگو بھی سیکھنا پڑے گی۔ یہ دو زبانیں ان کے لئے لازمی حیثیت رکھتی ہیں اور اس ریاست میں بسنے والوں کی بہت بڑی تعداد صرف ان دو زبانوں کو سیکھ کر کافی خوش حال زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس کے بعد جہاں تک ہندی اور انگریزی کا تعلق ہے آندھرا پردیش کے صرف وہی افراد ان زبانوں کو سیکھیں گے جنھیں اپنے کاروبار اور ذریعۂ معاش کے تعلق سے ان کا سیکھنا ضروری معلوم ہو۔ بلکہ کچھ تعداد ایسے افراد کی بھی ہوگی جنھیں جرمن، فرانسیسی، روسی، عربی جیسی غیر ملکی زبانوں میں سے ایک ایک زبان حسب ضرورت سیکھنا پڑے گی۔ زبانوں کی اس کثرت سے ہمیں پریشان نہ ہونا چاہئے۔ دنیا کے مختلف ملک جس قدر ایک دوسرے سے قریب ہوتے جا رہے ہیں اسی قدر ہر ملک میں کئی کئی زبانیں جاننے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے لیکن اس رجحان کے باوجود کوئی سمجھدار شخص اپنی مادری زبان کو چھوڑ نہیں دیتا اور نہ اپنی انفرادیت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کسی نیم وحشی قبیلے کے مٹھی بھر افراد جن کی نہ کوئی تاریخ ہے نہ تہذیب، نہ زبان ہے نہ ادب ترقی یافتہ پڑوسیوں کے زیر اثر اپنی بولی چھوڑ بیٹھیں تو اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے لیکن اُردو کے تعلق سے ایسا خیال صرف اسی شخص کے ذہن میں آ سکتا ہے جو یا تو جاہل مطلق ہو یا پھر تعصب نے اسے اندھا کر دیا ہو۔ (باقی)

بزمِ صحافت

حیدرآباد۔ ۱۳ر مئی۔ بزمِ صحافت کے نام سے اخبارات کا مطالعہ کرنے والوں کی ایک انجمن کے قیام کے لئے ایک ابتدائی جلسہ اتوار ۲۰ر مئی کو شام کے ۵ بجے بمقام بیت الشفا ترپ بازار منعقد ہوگا۔ اس جلسے کے داعی حکیم محمود خاں نجوی ہیں۔ اس بزمِ صحافت میں اُردو، انگریزی اور تلگو اخبارات کا مطالعہ اور ایک آندھرا ڈائجسٹ کی اشاعت کا کام کیا جائے گا۔

ہندوستانی طالب علم امریکا کا بہترین غیر ملکی طالب علم

نارمن اوکلاہمہ — ۱۷ر مئی۔ ہندوستان کا ایک طالب علم جو ڈاکٹریٹ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے بہترین غیر ملکی طالب علم قرار دیا گیا ہے۔

طالب علم کا نام وِشنو سکسینہ ہے اور عمر ۲۷ سال ہے وہ بریلی کا رہنے والا ہے۔

اس سے پہلے انڈیپنڈنٹ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے اُسے اسی قسم کا اعزاز مل چکا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غیر ملکی طالب علم کو یہ دونوں اعزاز ایک ساتھ حاصل ہوئے ہیں۔

ایران میں ہندوستانی کتابوں کی مقبولیت

حیدرآباد۔ ۱۴ر مئی۔ مسٹر محمود تفضلی ایرانی قنصل برائے ثقافتی امور متعینہ نئی دہلی نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ایران کے عوام میں ہندوستان اور ہندوستان کے عوام سے دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ چند برسوں کے اندر ہندوستان کی کئی ادبی اور کلاسیکل تصانیف کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے، جن میں وزیرِ اعظم نہرو اور ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی کتابیں بھی شامل ہیں۔ یہ کتابیں ایران میں بہت مقبول ہوئی ہیں اور ان کے ذریعہ دونوں ملکوں کے عوام کو قریب لانے میں مدد ملی ہے۔ ایرانی قنصل نے وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ ریڈی سے ملاقات کی اور اساتذہ و طلبہ کے تبادلے کے سلسلے پر بات چیت کی۔ انھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ ریڈی نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ ایک ایرانی طالب علم کو جامعہ عثمانیہ میں یونیورسٹی کے خرچ پر داخلہ دیا جائے گا بشرطیکہ عثمانیہ یونیورسٹی کے کسی طالب علم کو ایران کی کسی جامعہ میں اسی طرح داخلہ دیا جائے۔ انھوں نے مدرسین کے تبادلے کے مسئلے پر بھی بات چیت کی۔ انھوں نے ہندوستان اور ایران کے دیرینہ تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ باہمی تعلقات زیادہ مستحکم ہو رہے ہیں۔ ایران میں بھگوت گیتا اور اپنشدوں کا بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اوجین میں مشاعرہ اور کوی سمیلن

شری چنتامن گنیش کی آخری یاترا بدھ وار کو منائی گئی جس میں صبح سے شام تک مختلف پروگرام ہوئے۔ ان تقریبات میں بھگونت راؤ منڈلوئی وزیرِ اعلیٰ مدھیہ پردیش نے بھی شرکت فرمائی۔ چنتامن گنیش، اوجین شہر سے جانب مغرب پانچ میل پر واقع ہے جہاں روایت ہے کہ شری رام چندر جی نے اپنے بن باس کے زمانے میں تشریف لاکر کچھ دن عبادت فرمائی تھی۔

رات کو سات بجے وِشائیہ (دیہاتی بھوج) کے بعد ساڑھے آٹھ بجے مشاعرہ اور کوی سمیلن منعقد ہوا۔ صدارت عالی جناب عبدالمجید قریشی ایم۔ ایل۔ اے نے فرمائی۔ بطور مہمانِ خصوصی قاضی عطاء الرحمٰن صاحب قاضی شہر اوجین نے شرکت فرمائی۔

(منجانب نند لال پوتدار)

بلدیہ حیدرآباد رائے دہندوں کی فہرست اُردو میں بھی شائع کرے گی

حیدرآباد — ۱۰ر مئی۔ حکومت آندھرا پردیش نے بلدیہ حیدرآباد کے (۵۰) حلقوں کی فہرستیں اقلیتی زبان میں بھی تیار کرنے کے احکام دئے ہیں۔ ان احکام کی روشنی میں بلدیہ انتخابی فہرستیں اُردو میں شائع کرنے کے لئے طباعت کا کام شروع کر چکی ہے۔

معاصر

اُردو کانفرنس کریم نگر

آندھرا پردیش، ہندوستان کی وہ پہلی اور ابھی تک واحد ریاست ہے جہاں اُردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دی گئی ہے۔ گذشتہ مہینہ گورنر شری بھیم سین سچر نے نئی اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے خاص طور پر اُردو کی علاقائی زبان کی حیثیت کا ذکر کیا ہے۔ بہت بڑی حد تک اُردو کے ساتھ حکومت کا سلوک فیاضانہ ہے اگر کچھ شکایتیں ہیں تو وہ معمولی ہیں اور زیادہ تر اضلاع کے نظم و نسق سے متعلق ہیں۔ پنچایت راج کے قیام کے بعد اقتدار کی تقسیم کے باعث بعض امور ضلع پریشدوں کے تفویض کئے گئے جس میں تعلیم بھی شامل ہے۔ یہ شکایت بہت بڑھ گئی کہ مدارس میں اُردو جماعتوں کو برخاست کیا جا رہا ہے یا اُردو داں اساتذہ نہیں ہیں۔ ان ہی شکایتوں کے انسداد کے لئے حکومت کو توجہ دلانے دسمبر ۱۹۶۱ء میں انجمن ترقی اُردو حیدرآباد کے زیر اہتمام ہمارے شہر میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بطور خاص نظم و نسق اور اُردو کے مسائل پر غور و فکر کیا گیا۔ اور حکومت سے بعض مانگیں بھی کی گئیں۔ اس کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے سابق چیف منسٹر شری ڈی سنجیویا نے بعض اہم اعلانات بھی کئے مطالبے سے پیشتر اپنے اعلانات اور تصفیوں سے حکومت آندھرا پردیش نے وسعت نظری، رواداری اور لسانی ہم آہنگی کا بڑا ثبوت دیا تھا۔ مسٹر ڈی سنجیویا نے پنچایت راج کے تحت اُردو تعلیم کے انتظام کو آسان بنانے اور شکایتوں کے انسداد کا یقین دلاتے ہوئے آندھرا کے تین اضلاع گنتور، کرنول اور کڑپہ میں اُردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دینے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن حکومت نے اب تک اس سلسلے میں کوئی احکامات جاری نہیں کئے ہیں۔

حکومت کی معلنہ پالیسی پر ٹھیک ٹھیک عمل پیرائی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ حکومت کے فیصلوں پر عمل کے لئے واضح احکامات موجود ہوں تاکہ نچلی سطح پر اس کی کوئی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

کریم نگر میں مقامی انجمن ترقی اُردو کے زیر اہتمام اس ہفتہ ایک کانفرنس انہی مسائل پر غور کرنے منعقد ہوئی۔

پنچایت راج کے قیام کے باعث دفاتر میں اُردو کے استعمال اور مدارس میں اُردو تعلیم کے انتظام کے تعلق سے جو مسائل پیدا ہو گئے ہیں اور جس پر حیدرآباد کانفرنس میں غور کیا گیا ہے، کریم نگر کی کانفرنس ان پر حکومت کی توجہ منعطف کراتی ہے۔ یہ ضلع کانفرنس اپنے مقاصد و مطالبات میں ریاستی کانفرنس کے پیش کردہ نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہوئی حکومت کو یاد دلانا چاہتی ہے کہ دیہات اور قصبات میں اُردو تعلیم کے لئے حکومت اپنے وعدوں کو پورا کرے اور سرکاری پالیسی کی خلاف ورزی نچلی سطح پر نہ ہونے پائے۔ بعض عہدہ دار انفرادی طور پر اردو میں درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایسی شکایتیں عام طور پر اضلاع سے پیش آتی ہیں اس لئے یہ مناسب ہوگا کہ ان کا قطعی انسداد کیا جائے۔ کریم نگر اُردو کانفرنس نے جہاں اپنی زبان کے تحفظ کے لئے مطالبات پیش کئے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ کریم نگر کی اُردو داں آبادی اور خاص طور پر نئی نسل، دوسری زبانوں کے علاوہ تلگو سیکھ اور پڑھ رہی ہے۔ اور کریم نگر میں تو اُردو مادری زبان والے بھی تلگو شاعر ہیں جو تلگو ادب میں اپنا مقام پیدا کرنے کی جد و جہد کر رہے ہیں اور نئی روایتوں کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔

کریم نگر کانفرنس نے جو قرار دادیں پیش کی ہیں وہ اضلاع میں اُردو کے موقف اور ان کی مشکلات کا جائزہ ہے۔ امید ہے کہ ہماری نئی وزارت جس کے رہنما شری سنجیوا ریڈی جیسے وسیع النظر قائد ہیں اور جنھوں نے سارے ملک میں سب سے پہلے اُردو کو علاقائی زبان کا درجہ دینے کا تاریخی اعلان کیا تھا وہ اُردو والوں کی مشکلات کو دور کریں گے جس کا حکومت نے وعدہ کیا ہے اور جو حکومت کی پالیسی کے مطابق بھی ہے لیکن جس پر کہیں کہیں ٹھیک ٹھیک عمل نہیں ہوتا اور کہیں اس کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔

(سیاست حیدرآباد۔ ۸ مئی ۶۲ء)

بطور یاد دہانی

اگر آپ کے ریپر پر سرخ نشان ہے تو
یہ اس امر کی علامت ہے کہ زیر نظر شمارے کے
بعد آپ کی مدت خریداری ختم ہو جائے گی
براہ کرم ہماری زبان کی سالانہ قیمت
جلد سے جلد منی آرڈر سے بھیج کر
سلسلہ جاری رکھیے۔
منیجر

تبصرے

ایم۔ حبیب خاں

جامعہ۔ (سالنامہ فروری سنہ ۱۹۶۲ء)

مدیر: عبداللطیف اعظمی

صفحات: ۱۰۴۔ قیمت: ایک روپیہ

مقام اشاعت: جامعہ نگر۔ نئی دہلی

"جامعہ" اُردو کا قدیم ادبی رسالہ ہے۔ یہ درمیان میں بند ہو گیا تھا مگر نومبر سنہ ۱۹۶۱ء سے پھر نکلنا شروع ہوا ہے۔ زیرِ نظر شمارہ فروری سنہ ۱۹۶۲ء کا سالنامہ ہے جس میں سنہ ۱۹۶۱ء کی اُردو مطبوعات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سالنامے میں کئی ایسے مضامین بھی شامل کر دئے گئے ہیں جن سے مضامین میں یکسانیت باقی نہیں رہی۔ ویسے اس کے تقریباً تمام مضامین معیاری اور موضوع کے اعتبار سے اُردو ادب میں قابلِ لحاظ اضافے کے حامل ہیں۔ "پاکستان کی اردو مطبوعات پر ایک نظر"۔ "اُردو افسانہ اور ناول" "سنہ ۱۹۶۰ء و سنہ ۱۹۶۱ء کا مزاحیہ ادب" اور "وفیات سنہ ۱۹۶۱ء" یقیناً قابلِ قدر مضامین ہیں۔

"پاکستان کی اُردو مطبوعات پر ایک نظر" سالنامہ کا پہلا مضمون ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے اس مختصر مضمون سے وہاں کی پوری مطبوعات کا حق ادا نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے پاکستان کی اُردو مطبوعات کی رفتار کا ضرور اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ "اردو افسانہ اور ناول" ڈاکٹر قمر رئیس کا مضمون ہے۔ اس میں سنہ ۱۹۶۱ء میں شائع ہونے والے جتنے افسانے اور ناول ہیں کے نام گنائے۔ ان کے ساتھ انصاف کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ "وفیات سنہ ۶۱ء" پر خواجہ حافظ نبی احمد صاحب کا ایک نیا مضمون ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں جتنے شاعر اور ادیب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس میں ان سب کی جائے پیدائش، پیشہ اور تاریخ وفات تک کے مختصر واقعات درج کئے گئے ہیں۔

مدیر جامعہ نے یہ سالنامہ مرتب کر کے اُردو ادب کے طالب علموں کے لئے ایک اچھا خاصا سواد فراہم کر دیا۔ ان کا یہ کارنامہ اُردو ادب کے لئے ایک اچھا شگون ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ۔

کھلونا۔ (سالنامہ جنوری سنہ ۱۹۶۲ء)

مدیران: یونس دہلوی۔ ادریس دہلوی اور الیاس دہلوی

قیمت: ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

مقام اشاعت: آصف علی روڈ۔ نئی دہلی

ہندوستان سے بچوں کے رسالے بہت کم نکلتے ہیں، لیکن جو نکلتے ہیں ان میں "کھلونا" غنیمت ہے۔ یہ رسالہ ہر سال ایک سالنامہ شائع کرتا ہے جس میں بچوں کی دلچسپی اور ان کی معلومات کے مضامین، کہانیاں اور نظمیں ہوتی ہیں۔ اس سالنامے میں کہانیاں زیادہ اور معلوماتی مضامین کم ہیں۔ بچوں کے لئے معلوماتی مضامین بہت ضروری ہیں تاکہ ان میں غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ اپنے دماغ سے کام لینے کی عادت ڈالیں۔ زیرِ نظر سالنامے میں "گنڈک کا بھوت"، "ہاتھی کا وزن"، "نانی ڈوڈو"، "مجھلے کی ہولی"، "بولنے کا انعام"، "ننھا فلاسفر" اور "فرمائشی پروگرام" دلچسپ کہانیاں ہیں۔ نظمیں بھی اچھی ہیں۔

"صبحِ امید" بہار اسٹر نمبر (مارچ سنہ ۱۹۶۲ء)

اڈیٹر: عبدالحمید بوہیرے۔ صفحات: ۱۷۰۔

قیمت دو روپے۔ سالانہ چندہ چھ روپے

مقام اشاعت۔ دفتر صبحِ امید۔ بمبئی ۸

عبدالحمید بوہیرے صاحب نے گجرات نمبر کے بعد بہار اسٹر نمبر شائع کیا ہے۔ اس مفید اور دلچسپ شمارے میں گجرات کے ماضی، حال اور مستقبل کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اس میں "اُردو کا پہلا ڈرامہ نویس" اور "کھڑکی — پرانا اورنگ آباد؟" قابلِ قدر مضامین ہیں بشکیل پر ابھنی۔ شفا گوالیاری اور ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کی غزلیں خصوصیت سے پڑھنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس میں سکندر علی وجد کی بہترین نظم "ایلورا" بھی شامل ہے اس کے ساتھ ہی عید نمبر بھی شامل ہے جو کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ رسالے کا ٹائٹل نہایت دیدہ زیب اور تصویروں سے مزین ہے۔

ایجنسی کی کتابیں

یادگارِ فرحت	مرتبہ غلام یزدانی قیمت مجلد ۰۰۔۴ر۔ غیر مجلد	۳/۰۰
معاشیات	حبیب الرحمٰن	۲/۰۰
مجاز نمبر (علی گڑھ میگزین)		۳/۵۰
چنگیز (ڈرامہ)	محمد فضل الرحمٰن	۲/۰۰
گوتم بدھ (منظوم سوانح حیات)	"	۱/۰۰
سقراط (ڈرامہ)	"	۱/۲۵
زندگی کے کھیل (ڈرامے)	بیگم صالحہ عابد حسین	۲/۵۰
ابتدائی سماجی لسانیات	فاطمہ شجاعت	۳/۰۰
شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا		۵/۰۰
مسدس بے نظیر (جان صاحب)	مرتبہ اثر رام پوری	۲/۵۰
اسباب بغاوت ہند	سید احمد خاں	۲/۰۰
"اردو ادب" (آزاد نمبر)	مرتبہ آل احمد سرور	۵/۰۰
۱۹۶۰ء کے بہترین افسانے	ایم حبیب خاں	۲/۲۵
حالی کا سیاسی شعور	جذبی	۳/۵۰
مقدمہ کلام آتش	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳/۷۵
جھنجن گرنتھ	جوش ملسیانی	۱۰/۰۰
جنون و ہوش	"	۴/۰۰
ہفت رنگ	عرش ملسیانی	۳/۰۰
تلامذۂ غالب	مالک رام	۷/۵۰
نو گل	سعادت نظیر	۰۰/۶۰
پھول اور کلیاں	"	۰۰/۶۰
آب و تاب	"	۱/۵۰
علی گڑھ میگزین مجاز نمبر	شعبۂ اردو	۳/۵۰
" " ۱۹۵۹ء	"	۳/۰۰
حیدر آباد کے ادیب	زینت ساجدہ غیر مجلد ۴/۰۰ مجلد	۵/۰۰
حیدر آباد کے شاعر	خواجہ حمید الدین شاہد " ۴/۰۰ "	۵/۰۰
فکر و ادب	دیوندر اسر	۳/۵۰
ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ	سیدہ جعفر	۳/۵۰
رپورٹ کل ہند اردو کانفرنس		۲/۰۰
انتخاب جدید نثر اردو	سید احتشام حسین رضوی	۲/۵۰
قصیدہ عربیہ		۰۰/۵۰
کاوش سہیل	افتخار اعظمی	۵/۰۰

سوز کوثر	اقبال سہیل	۰۰/۵۰
ارمغان حرم	مرتبہ افتخار اعظمی	۵/۰۰
پس پردہ		۵/۰۰
القاموس الجدید		۷/۰۰
علم کی ضرورت	شاہ وصی اللہ	۰۰/۵۰
ایک معمولی لڑکی	بلونت سنگھ	۴/۰۰
حالی کا نظریۂ شعری	ناظر کاکوروی	۴/۰۰
ہندوستانی موسیقی	مفتی فخر الاسلام	۳/۰۰
عبدالرحیم خانخاناں	جے کرشن چودھری	۱/۲۵
ادبی جھلکیاں	صالحہ عابد حسین	۳/۵۰
اندازے	فراق گورکھپوری	۵/۷۵
چاندنی اور انگارے	اسلام رومی	۲/۰۰
بھرتری ہری	جے کرشن چودھری	۲/۰۰
دوش فردا	مجنوں گورکھپوری	۵/۵۰
چترلیکھا	بھگوتی چرن ورما	۳/۵۰
گل پارے	کاظم علی خاں	۴/۰۰
فیضِ مشرق	ڈاکٹر محمد احمد	۳/۵۰
ادب اور ادیب	ڈاکٹر اعجاز حسین	۴/۰۰
گلِ نغمہ	فراق گورکھپوری	۶/۵۰
جائزے	ناظر کاکوروی	۳/۰۰
اقبال اور اس کا عہد	جگن ناتھ آزاد	۲/۵۰
نروان	فاروق جنوں	۲/۰۰
لوک گیت	اظہر علی فاروقی	۱/۵۰
قصیدہ عطار	سراج الحق	۱/۵۰
نوٹکے	صالحہ عابد حسین	۲/۵۰
تنقید اور تنقیدی شعور	ناظر کاکوروی	۳/۵۰
شاعر آتش نوا	اجمل اجملی	۳/۵۰
یاد ایام	ضیاء الحسن علوی	۶/۵۰
اردو سے ہندوؤں کا تعلق	اجمل اجملی	۱/۵۰
زندگی	چودھری افضل حق	۳/۰۰
یوحنا	علیم عرفی	۴/۰۰
تعارف مرثیہ	شجاعت علی سندیلوی	۲/۰۰
تعلیم اور زندگی کی اہمیت	جے کرشن سورتی	۲/۰۰

ملنے کا پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا